بحث ونظر

قرآن مجید اور تسخیرِ کائنات

ڈاکٹر محمد ریاض کرمانی

قرآنِ کریم میں کائنات اور اس کے مشمولات سے متعلق تسخیر کا لفظ تقریباً چوبیس آیات میں استعمال ہوا ہے۔ان تمام آیات سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ اس کائنات کا مسخر اللہ تعالیٰ ہے۔البتہ اس تسخیر کا فائدہ انسان کو پہنچتا ہے۔اس کے باوجود مسلمان دانش ورقرآن کے حوالے سے تسخیر کا لفظ اس معنٰی میں استعمال کرتے ہیں کہ انسان کائنات کی تسخیر کرے۔گولغوی اعتبار سے تسخیر کرنے کی بات انسان کے حق میں جائز ہے،مگر جب اس کو قرآن کی آیات سے مدلل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو مشکل پیدا ہوتی ہے۔ہماری نظر میں قرآن تسخیر کے حوالے سے یہ نہیں کہتا کہ انسان کائنات کی تسخیر کرے، بلکہ صرف یہ کہتا ہے کہ اللہ نے اس کائنات کو مسخر کر رکھا ہے، جس کا مقصد انسان کو فائدہ پہنچانا ہے، تاکہ وہ شکر گزار بندہ بن کر زندگی گزارے۔ ذیل کے مضمون میں ہم تسخیر کے قرآنی مفہوم پر تفصیل سے روشنی ڈالیں گے اور جدید علوم کے حوالے سے بتائیں گے کہ انسان کو تصرف کے بجائے موافقت اور مطابقت سے کام لیتے ہوئے کائنات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

تسخیر کے لغوی معنی:

لغت میں تسخیر کے معنی ہیں :بس میں کرنا، زبردستی کسی خاص کام میں لگادینا۔ خدمت لینا: سخّره تسخيراً: كلّفه عملاً بلا أجرة (کسی سے بلا اجرت کوئی کام لینا)سَخَّره سِخرِيّاً و سُخرِيّاً: كلّفه مالا يريد و قهره (کسی سے زبردستی کوئی کام

لینا)۱؎ التسخیر: سیاقة الی الغرض المختص قهراً (کسی سے زبردستی کوئی کام
لینا)۲؎ معلوم ہوا کہ عربی لغت کے اعتبار سے یہ لفظ ہر اس موقع پر استعمال ہو سکتا ہے
جہاں یہ بتانا مقصود ہو کہ کوئی ذات کسی دوسری ذات کو بس میں کیے ہوئے ہے، یا اس
سے خدمت لے رہی ہے، خواہ خدمت لینے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہو یا انسان کی ہو۔
چناں چہ لغوی استعمال کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ بھی مسخِّر ہو سکتا ہے اور انسان بھی، مگر قرآن
کریم میں صرف ایک آیت ایسی ہے جس میں انسان کو مسخِّر کی حیثیت دی جا سکتی ہے
(الزخرف۔۳۲) باقی کسی بھی آیت سے انسان کی اس حیثیت کا ثبوت نہیں ملتا۔

قرآنی تناظر:

قرآنِ کریم میں تسخیر کا لفظ تین حیثیتوں میں استعمال ہوا ہے۔ اسم کی حیثیت
سے سُخْرِیاً، مفعول کی حیثیت سے مُسَخَّرَات اور فعل کی حیثیت سے سَخَّرَ اور سَخَّرْنَا۔

(۱) سُخْرِیاً میں انسانوں کے ایک دوسرے سے خدمت لینے کا حوالہ ہے
(الزخرف۴۳:۳۲)

(۲) مُسَخَّرَات کا لفظ ستاروں اور پرندوں کے لیے استعمال ہوا ہے، کہا گیا
ہے کہ وہ اللہ کے تابعِ فرمان ہیں (الاعراف:۵۴، النحل:۱۲، ۷۹)

(۳) سَخَّرَ اور سَخَّرْنَا دونوں ملا کر قرآن میں بائیس مرتبہ آئے ہیں۔ اس
لفظ کا اطلاق اجرامِ فلکی، وقت یعنی دن رات کے لیے، زمین، کشتیوں، دریاؤں،
سمندروں، ہواؤں، پہاڑوں اور شیطانوں کے لیے ہوا ہے۔

اس فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں تسخیر کا تناظر کافی وسیع ہے
اور پوری فطرت کو جامع ہے۔

تسخیر کے اثرات:

تسخیر کے اثرات ہم کو مختلف شکلوں میں نظر آتے ہیں۔ کم از کم آٹھ اثرات کا
تذکرہ قرآن کریم میں کیا گیا ہے:

(۱) اجرامِ فلکی کی گردش (الرعد۔۱۳)

(۲) اجرامِ فلکی کے متعین مداراور مقام ۳؎

(۳) ہوا طوفانی کیفیت اختیار کر لیتی ہے (الحاقۃ: ۶۔۸)

(۴) پہاڑ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ مل کر اللہ کی تسبیح کرتے ہیں (الانبیاء۔۷۹،ص۔۱۸)

(۵) سمندروں اور دریاؤں میں کشتیاں تیرتی ہیں (ابراہیم:۳۲۔۳۳، الحج۔۶۵، الزخرف: ۱۲۔۱۴)

(۶) انسان دوسرے انسانوں کی خدمت کرتے ہیں (الزخرف۔۳۲)

(۷) حیوان انسان کی خدمت کرتے ہیں، یہاں تک کہ وہ ان کو ذبح کر لیتا ہے (الحج۔۳۶)

(۸) حضرت سلیمان علیہ السلام کی ہدایت کے مطابق ہوا چلتی ہے اور شیاطین ان کی خدمت کرتے ہیں (الانبیاء۔۸۱،ص: ۳۶۔۳۸)

مذکورہ آٹھ اثرات میں سے اولین چار اثرات میں انسان کا کوئی عمل دخل نہیں، کیوں کہ انسان نہ تو اجرامِ فلکی کی گردش پر مقتدر ہے اور نہ ان کے مقام و مدار کا تعین اس نے کیا ہے۔ نہ وہ پہاڑ کو تسبیح پر آمادہ کر سکتا ہے اور نہ ہواؤں کی رفتار اور رخ کا تعین کر سکتا ہے۔ رہا حضرت سلیمان علیہ السلام کی ہدایت کے مطابق ہوا کا چلنا یا شیاطین سے خدمت لینا تو یہ ایک مخصوص معاملہ ہے جو ایک جلیل القدر پیغمبر سے متعلق ہے۔ اس واقعہ کو تمام انسانوں پر منطبق نہیں کیا جا سکتا۔ جہاں تک سمندروں اور دریاؤں میں کشتیاں تیرنے کا تعلق ہے تو یہ کام دراصل اللہ تعالیٰ کا ہی ہے۔ کیوں کہ طبیعی قوانین، جن کی وجہ سے کشتیاں تیرتی ہیں، سب کے سب اللہ تعالیٰ کے ہی بنائے ہوئے ہیں۔ انسان تو صرف کشتی بناتا ہے، اس کا تیرانا صرف اللہ کا کام ہے۔ اب انسانوں کا انسانوں اور جانوروں سے خدمت لینا ہی ایک ایسا عمل رہ جاتا ہے جس میں اللہ کی تسخیر کا فائدہ اس صورت میں ظاہر ہوتا ہے کہ انسان بھی دوسرے انسانوں

اور جانوروں کو مسخر کر لیتا ہے۔ مگر یہاں بھی غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان سے یہ کہلوالیتا ہے کہ:

سُبْحٰنَ الَّذِی سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ (الزخرف:۱۳)

پاک ہے وہ جس نے ہمارے لیے ان چیزوں کو مسخر کر دیا، ورنہ ہم انھیں قابو میں لانے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔

اس آیت سے جہاں ایک طرف الٰہی تسخیر کا اثر انسانی تصرف کی شکل میں ظاہر ہونا معلوم ہوتا ہے، وہاں اس ادب کا اظہار بھی ہوتا ہے کہ انسان اللہ کی پاکی بیان کرے اور اس کے آگے اپنی پستی کا احساس اس کے اندر پیدا ہو۔ اللہ کی تسبیح بیان کرنے میں اس حقیقت کی طرف بھی واضح اشارہ ہے کہ انسان یہ نہ سمجھنے لگ جائے کہ اللہ تعالیٰ میں یا اس کی تخلیق میں کوئی ایسی کم زوری ہے جس کی وجہ سے انسان کو اس کی بنائی ہوئی چند چیزوں پر تصرف حاصل ہو جاتا ہے۔

تسخیر کے مقاصد:

تسخیر سے متعلق قرآنی آیات کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ تسخیر کے چار مقاصد ہیں:

(۱) تدبیرِ امر:

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو بنا کر چھوڑ نہیں دیا، بلکہ وہ برابر اس میں عمل دخل جاری کیے ہوئے ہے اور متواتر تدبیرِ امر کر رہا ہے۔ قرآن کریم میں زمین و آسمان کی تخلیق کے تذکرے کے بعد اللہ تعالیٰ کے عرش پر جلوہ افروز ہونے کا ذکر اسی طرف نشان دہی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کا محض خالق ہی نہیں، بلکہ مدبّر اور فرماں روا بھی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی فرماں روائی اور تدبیر امر سے متعلق بے شمار آیتیں ہیں۔ یہاں ہم آیاتِ تسخیر پر گفتگو کر رہے ہیں۔ چناں چہ تدبیرِ امر سے متعلق ایک آیتِ تسخیر پیش کرتے ہیں:

اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰهُ الَّذِی خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِی سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی اللَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثاً وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرَاتٍ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبَارَکَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ (الاعراف:۵۴)

درحقیقت تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر اپنے تختِ سلطنت پر جلوہ فرما ہوا۔ جو رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے اور پھر دن رات کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے۔ جس نے سورج اور چاند اور تارے پیدا کیے۔ سب اس کے فرمان کے تابع ہیں۔خبردار رہو اسی کی خلق ہے اور اسی کا امر ہے۔ بڑا بابرکت ہے اللہ سارے جہانوں کا مالک و پروردگار۔

مذکورہ بالا آیت میں ایک طرف تسخیر اور تدبیرِ امر کے درمیان ربط معلوم ہوتا ہے اور دوسری طرف یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جس طرح چاند، سورج اور ستاروں کا خالق صرف اللہ ہے، اسی طرح ان کو مسخر کرنے اور انھیں حکم دینے والا بھی وہی ہے۔

(۲) تعلیم:

اللہ تعالیٰ نے جس طرح اس کائنات کو بنا کر ایسے ہی نہیں چھوڑ دیا، اسی طرح انسان کو بنا کر یوں ہی نہیں چھوڑ دیا ہے۔ اس نے انسان کو شعور عطا کیا ہے تو اس کی غذا بھی اتاری ہے۔ چناں چہ ایک طرف تو کائنات کو مسخر کیا، تاکہ انسان اس کا مربوط مطالعہ کر سکے اور دوسری طرف پیغمبروں کا سلسلہ قائم کیا، تاکہ اس کی تعلیم، تہذیب اور تادیب ہو سکے۔ پیغمبر جب انسان کو اللہ کے ایک ہونے کی خبر دے اور اس کی صفات بیان کرے تو خود اس کائنات میں انسان کو ایک اللہ کے تصرف اور تدبیر کا اشارہ ملے۔

اَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِی جَوِّ السَّمَاءِ مَا یُمْسِکُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ فِی ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ (النحل:۷۹)

کیا ان لوگوں نے کبھی پرندوں کو نہیں دیکھا کہ فضائے آسمانی میں کس طرح مسخر ہیں؟ اللہ کے سوا کس نے ان کو تھام رکھا ہے؟ اس میں بہت نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌ بِاَمْرِهٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (النحل:۱۲)

اس نے تمہاری بھلائی کے لیے رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے۔ اور سب تارے بھی اسی کے حکم سے مسخر ہیں۔ اس میں بہت نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

کائنات کی تسخیر میں اہلِ ایمان اور اہلِ عقل کے لیے نشانیوں کا تذکرہ اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو مسخر نہ کر رکھا ہوتا تو اس میں اہلِ ایمان کے لیے کوئی نشانی ہوتی نہ اہلِ عقل کے لیے۔ اور جب کوئی نشانی نہ ہوتی تو انسان کو نہ توحید کا علم حاصل ہوتا، نہ اللہ کی قدرت کا، نہ اس کی ربوبیت کا، اور نہ اس کی رحمت کا۔ تسخیر اس قدر اہم عمل ہے کہ قرآن کی درج ذیل آیت میں یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ تسخیر کی وجہ سے انسان کو یہ یقین قائم کرنے میں مدد ملتی ہے کہ کسی وقت اللہ سے ملنا ہے اور اس کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ (الرعد:۲)

اور اس نے آفتاب و ماہتاب کو ایک قانون کا پابند بنایا۔ اس سارے نظام کی ہر چیز ایک وقتِ مقرر تک کے لیے چل رہی ہے اور اللہ ہی اس سارے کام کی تدبیر فرما رہا ہے۔ وہ نشانیاں کھول کھول کر بیان کرتا ہے، شاید کہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو۔

(۳) منفعت:

قرآن کی آیاتِ تسخیر کا ایک بہت ہی ابھرا ہوا پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کل کائنات کو انسان کے فائدے کے لیے مسخر کر رکھا ہے؛ چوبیس آیاتِ تسخیر میں سے گیارہ آیتیں ایسی ہیں جن میں لہ، لکم، لنا کا صلہ استعمال کر کے یہ احساس دلایا گیا ہے کہ تسخیر کے فائدے انسان کو پہنچتے ہیں۔ ساتھ ہی بعض آیات میں جذبۂ شکر ابھارنے پر

زور دیا گیا ہے۔ چناں چہ تسخیر کے مقاصد میں انسان کو مادی اور روحانی منفعت پہنچانا شامل ہے۔ مادی منفعت تو ظاہر ہے۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ الزخرف۔۱۳ (پاک ہے وہ جس نے اس کو ہمارے زیر فرمان کر دیا اور ہم میں طاقت نہ تھی کہ اس کو بس میں کر لیتے) مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ النحل۔۷۹ (ان کو خدا ہی تھامے رکھتا ہے) لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ الحج۔۳۶، الجاثیہ۔۱۲ (تاکہ تم شکر کرو) وَاَسْبَغَ عَلَیْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً لقمان۔۲۰ (اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دیں) میں اسی روحانی منفعت کی طرف اشارہ ہے۔

(۴) تعزیر:

قرآن کریم میں ایک مقام پر تسخیر کے ساتھ علی کا صلہ استعمال کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ قومِ عاد پر ہواؤں کو سات راتوں اور آٹھ دن تک مسخر رکھا گیا، جس کے نتیجے میں وہ قوم اپنے گناہوں کی پاداش میں تباہ و برباد ہوگئی (الحاقۃ:۶۔۸) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تسخیر کے مقاصد میں سے ایک مقصد تعزیر بھی ہے۔ قرآن کریم میں اقوامِ عالم کی تاریخی مثالیں ہیں، جن میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سرکش اقوام کو انہی چیزوں کے ذریعہ تباہ و برباد بھی کرتا رہا ہے جو ان کے لیے عام حالات میں زندگی کی بقا اور تمدن کے فروغ کا سبب ہوتی ہیں۔ سدومیوں پر پتھروں کی بارش (الاعراف:۸۰۔۸۴)، عاد پر طوفانی ہوا (الحاقۃ:۶۔۸)، ثمود پر زبردست زلزلہ (الاعراف: ۷۳۔۷۹)، فرعون کا سمندر میں غرق ہونا (الاعراف: ۱۳۳۔۱۳۶، الشعراء: ۵۲۔ ۶۸) اور ابرہہ پر پرندوں کے ذریعہ کنکریوں کی بارش (الفیل) یہ سب تسخیر کے تعزیری استعمالات ہیں، خواہ ان واقعات کے تذکرے میں تسخیر کا لفظ قرآن میں استعمال ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔

مسخّر کون ہے؟:

سَخَّرَ اور سَخَّرنا کی ضمیریں اللہ تعالیٰ کی طرف ہی راجع ہیں۔ سَخَّرَ

بِـــاَمْــرِہٖ (الاعراف۔۵۴، ابراہیم:۳۲۔۳۳، النحل۔۱۲، الحج:۶۵، الجاثیہ۔۱۲) میں اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے کہ کائنات صرف اللہ کے امر کی تابع ہے، کسی اور کے حکم کی تابع نہیں۔ سورج، چاند اور ستاروں کی تسخیر کا ذکر کرنے کے بعد کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی (الرعد۔۲، فاطر۔۱۳، الزمر۔۵) اَلاَلَـهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (الاعراف۔۵۴) کہنا اور پرندوں کی تسخیر کے تذکرے کے فوراً بعد مَـایُـمْسِـکُھُنَّ اِلاَّ اللّٰہ (النحل۔۷۹) پر زور دینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اور ان مظاہر فطرت کا مسخر نہیں ہے۔

مفسرین نے بھی بالعموم آیاتِ تسخیر کا مفہوم یہی لیا ہے کہ اللہ نے اس کائنات کو انسان کے فائدے کے لیے مسخر کر رکھا ہے۔ ساتھ ہی انھوں نے تسخیر کے پہلو سے اشیائے عالم کی دو قسمیں قرار دی ہیں۔ ایک وہ اشیاء جن سے انسان جس طرح چاہتا ہے فائدہ اٹھاتا ہے۔ دوسرے وہ اشیاء جن سے انسان فائدہ تو اٹھاتا ہے، مگر اپنی مرضی کے مطابق ان کو ڈھال نہیں سکتا ہے اور نہ چلا سکتا ہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ سورۂ ابراہیم آیات:۳۲۔۳۳ کے حواشی میں رقم طراز ہیں:

> ''یعنی سمندر کے خوفناک لہروں میں ذرا سی کشتی پر سوار ہو کر کہاں سے کہاں پہنچتے ہو اور کس قدر تجارتی یا غیر تجارتی فوائد حاصل کرتے ہو۔ یہ خدا ہی کی قدرت اور حکم سے ہے کہ سمندر کے تھپیڑوں میں ذرا سے ڈونگی کو ہم جدھر چاہتے ہیں، لیے پھرتے ہیں...... ندیوں میں پانی کا آنا اور کہیں سے کہیں پہنچنا گو کشتی کی طرح تمہارے کہنے میں نہیں، تاہم تمہارے کام میں وہ بھی لگی ہوئی ہیں۔ اسی طرح چاند سورج، جو ایک متعین نظام اور ضابطے کے موافق برابر چل رہے ہیں، کبھی تھکتے نہیں، نہ رفتار میں فرق پڑتا ہے، یا رات اور دن ایک دوسرے کے پیچھے ٹھہری عادت کے موافق ہمیشہ چلے آتے ہیں۔ یہ سب چیزیں گو اس معنیٰ سے تمہارے قبضے میں نہیں کہ تم جب چاہو اور جدھر چاہو ان کی قدرتی

حرکت و تاثیر کو پھیر دو، تاہم بہت سے تصرفات و تدابیر سے قطع نظر کر کے بھی وہ قدرتی طور پر ہر وقت تمہاری کسی نہ کسی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ تم سوتے ہو، وہ تمہارا کام کرتے ہیں۔ تم چین سے بیٹھتے ہو، وہ تمہارے لیے سرگرداں ہیں''۔[۴]

مولانا مودودیؒ نے بھی تسخیر سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے اشیائے عالم کی دو قسمیں کی ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

''کسی چیز کو کسی کے لیے مسخر کرنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ چیز اس کے تابع کر دی جائے اور اسے اختیار دے دیا جائے کہ جس طرح چاہے اس میں تصرف کرے اور جس طرح چاہے اسے استعمال کرے۔ دوسری یہ کہ اس چیز کو ایسے ضابطے کا پابند کر دیا جائے جس کی بدولت وہ اس شخص کے لیے نافع ہو جائے اور اس کے مفاد کی خدمت کرتی رہے۔ ہوا، پانی، مٹی، آگ، نباتات، معدنیات، مویشی وغیرہ بے شمار چیزیں پہلے معنیٰ میں ہمارے لیے مسخر ہیں اور چاند، سورج وغیرہ دوسرے معنیٰ میں''۔[۵]

مولانا مودودیؒ نے تسخیر کے تصور سے متعلق ایک تنبیہ بھی کی ہے۔ فرماتے ہیں:

''"تمہارے لیے مسخر کیا" کو عام طور پر لوگ غلطی سے "تمہارے تابع کر دیا" کے معنیٰ میں لے لیتے ہیں اور پھر اس مضمون کی آیات سے عجیب عجیب معنیٰ پیدا کرنے لگتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض لوگ تو یہاں تک سمجھ بیٹھے کہ ان آیات کی رو سے تسخیرِ سمٰوات و ارض انسان کا منتہائے مقصود ہے۔ حالاں کہ ان چیزوں کے مسخر کرنے کا اس کے سوا کچھ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے قانون کا پابند بنا رکھا ہے جس کی بدولت یہ انسان کے لیے نافع ہو گئی ہیں''۔[۶]

اللہ کے بجائے انسان:

دورِ جدید کے وہ مسلمان سائنس داں جو دینی مزاج رکھتے ہیں، قرآن اور سائنس، یا اسلام اور سائنس کے موضوع پر غور وفکر کرتے رہتے ہیں اور امتِ مسلمہ کی زبوں حالی کا احساس رکھتے ہیں، اکثر اس زبوں حالی کو سائنس اور ٹکنالوجی میں پیچھے رہ جانے سے متعلق کرتے ہیں۔ ان میں وہ لوگ جو سائنس وٹکنالوجی کی اصلاح کے طلب گار نہیں ہیں، صاف کہتے ہیں کہ قرآن کریم ہم کو یہ حکم دیتا ہے کہ ہم اشیائے کائنات کو مسخر کریں، جس کے لیے سائنس کا علم حاصل کرنا لازمی ہے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو تسخیرِ کائنات کا خواب بھی دیکھتے ہیں اور سائنس کو قرآن اور سنت کے مطابق ڈھالنے کے بھی قائل ہیں۔ اس دوسرے گروہ میں کچھ علمائے دین شامل ہیں۔ اس دوسرے گروہ میں دو سائنس دانوں اور ایک عالمِ دین کے خیالات کا کسی قدر تجزیہ کیا جارہا ہے جس سے واضح ہوگا کہ "اللہ مسخرِ کائنات" سے "انسان مسخرِ موجودات" کی طرف کس طرح پیش قدمی کی جاتی ہے۔

تسخیر اور خلافت:

مہدی گلشنی ایک معروف ایرانی ماہرِ طبیعیات ہیں۔ قرآن اور سائنس، اسلام اور سائنس پر انھوں نے بیش قیمت مضامین وکتب کا اضافہ کیا ہے۔ وہ آیاتِ تسخیر کو تصورِ خلافت کے ساتھ جوڑتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اللہ نے انسان کو زمین پر خلیفہ اور نائب بنایا ہے۔ اور اس کو بے شمار مواقع عطا کیے ہیں۔ اب یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو پہچانے اور مواقع سے فائدہ اٹھائے۔ اللہ کے خلیفہ اور اس کی حکمت وقوت کی علامت کے بطور مناسب قوت وحکمت حاصل کرے"۔[۷]

عبدالقادر نے اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ خیال پیش کیا ہے:

''قرآن چاہتا ہے کہ مسلمان انسانیت کی بھلائی کے لیے فطرت کی قوتوں کو زیر کریں''۔[۸]

اس سے بھی زیادہ قابلِ اعتراض بات یہ ہے کہ موصوف نے سورۂ لقمان آیت ۲۰ کا ترجمہ یوں کیا ہے: ''جو کچھ زمین و آسمان میں ہے انسان کے قبضۂ قدرت میں دے دیا گیا ہے All that is in heaven and earth has been subjugated to man. اور اس ترجمے سے اس خیال کو تقویت پہنچائی ہے کہ ''علم قوت ہے، اس معنی میں کہ علم کے ذریعہ کوئی بھی شخص نیچر پر حاوی ہوسکتا ہے اور اس کو اپنی خواہش کا غلام بنا سکتا ہے''۔[۹]

مولانا محمد شہاب الدین ندویؒ نے بھی جدید علوم سے کافی استفادہ کیا ہے اور اسلام اور سائنس کے موضوع پر ضخیم مواد فراہم کیا ہے۔ انھوں نے اردو قارئین کے لیے اس موضوع پر معلومات فراہم کرنے میں بیش قیمت خدمت انجام دیتے ہوئے منفرد مقام حاصل کیا ہے۔ انھوں نے بھی آیتِ تسخیر کو آیاتِ استخلاف سے جوڑتے ہوئے جدید علوم کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے اور تکنالوجی کو ''علمِ تسخیر'' کا نام دیا ہے۔ وہ سورۂ ابراہیم آیات ۳۲ تا ۳۴ اور سورۂ جاثیہ آیت ۱۳ کے حوالے سے کہتے ہیں:

''ان تمام آیات میں غور کیجیے۔ ان آیات کا منشا کیا ہے اور یہ حکم کس کو دیا جا رہا ہے؟ تسخیر اشیاء کس چیز کا نام ہے؟ باطنی نعمتیں کس طرح وجود میں آتی ہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ حکم ''خلیفۃ الارض'' کو دیا جا رہا ہے کہ وہ علم اسماء کے ''منتر'' اور ''دستِ تسخیر'' کی قوت سے ''باطنی نعمتوں'' کو منظرِ عام پر لائے''۔[۱۰]

اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا کے نزدیک تسخیر انسان کا عمل ہے۔ پھر یہ تسخیر کوئی بیانِ واقعہ نہیں ہے، بلکہ ایک حکم ہے۔ اس طرح کائنات پر اللہ کی گرفت کا تصور انسان کی گرفت سے بدل جاتا ہے اور آیاتِ تسخیر میں اللہ کی نعمتوں کا تذکرہ اور اشیاء کو آیاتِ الٰہی مانتے ہوئے ظلم و کفرانِ نعمت سے بچنے کی تلقین، اشیائے کائنات کو

مسخر کرنے کے حکم کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

مولانا نے اپنے اقتباس پر حاشیہ لگا کر یہ وضاحت کر دی ہے کہ ''اشیائے عالم کا اصل مسخر تو خالقِ کائنات جلّ شانہ ہے، تمام موجودات پر اسی کا حکم اور اسی کی فرماں روئی چل رہی ہے...... مگر چوں کہ انسان بھی صفاتِ خداوندی کا مظہر ہے، اس لیے وہ بھی ایک خاص دائرے میں حاکم و مختار ہے...... لہٰذا موجوداتِ عالم کا اصل مسخر باری تعالیٰ جلّ شانہٗ ہے، مگر مجازاً انسان کو بھی مسخرِ موجودات کہا جا سکتا ہے اور ان دونوں میں کوئی تعارض اور تضاد نہیں ہے''۔[11] مولانا نے انسان کو مجازاً مسخر کہنے کی توجیہ تو کر دی، مگر یہ نہیں بتایا کہ وہ قرآن کے بیانِ واقعہ کو حکمِ الٰہی کس بنا پر کہتے ہیں؟ حالاں کہ بیانِ واقعہ بھی اس معنی میں نہیں ہے کہ انسان اشیاء عالم کا مسخر ہے۔

تسلّط و تصرّف کی اصل:

یہ خیال کہ فطرت کا علم حاصل کرنے کے لیے اس کو قبضے میں کرنا، قابو میں لانا اور شکنجے میں کسنا ضروری ہے، دراصل یورپی نشأۃِ ثانیہ کا ثمرہ ہے۔ اس دور میں عیسائیت کا ایک مخصوص مزاج تھا جس کی وجہ سے لوگ دنیا کے ساتھ باغیانہ خیال رکھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ دنیا اس کو گناہ کی پاداش میں ملی ہے۔ وہ دنیا کو شیطان کی آماجگاہ، خباثت کا مقام اور گندگی کا ٹھکانہ سمجھتے تھے۔ چناں چہ انسان کی خدمت کے لیے اس کو قابو میں کرنا اور گرفت میں لینا ضروری خیال کرتے تھے۔ اس دور میں فطرت اور اس کے مطالعہ سے متعلق تصورات کو ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) نشأۃ ثانیہ کا دوران تمام علوم کا انکار کرنے کے لحاظ سے معروف ہے جو وحی یا علومِ نقلیہ پر مبنی ہوں۔ عقلیت اور مذہب انسانیت کو بلند مقام دینے میں نشأۃ ثانیہ کا بڑا کردار رہا ہے۔

(۲) اس دور میں اس تصور نے زور پکڑا کہ فطرت کا مطالعہ محض مطالعے کی خاطر نہیں، بلکہ اس پر پوری طرح قابو پانے کے لیے کرنا چاہیے، تاکہ اس کو انسان کی

مادی فلاح کے لیے استعمال کیا جاسکے۔

(۳) بیکن کی پیش کردہ علمی منہاج ہی حقیقت کو جاننے کا واحد ذریعہ قرار پائی، جس کے مطابق سچائی کا پتا صرف تجربہ اور مشاہدہ سے لگایا جاسکتا ہے۔

(۴) حادث فطرت Natura Naturans اور جوہر Natura Naturata کے درمیان فرق ختم ہوا اور وقت گزرنے کے ساتھ لوگ جوہر کو بھولنے لگے اور صرف نیچو باقی رہ گئی۔ سرسید کے دور میں بھی فطرت کا نیچری تصور ہی تھا۔

(۵) فطرت پر حکمرانی حاصل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قوت حاصل کی جائے۔ قوت اس دور کی بنیادی ضرورت تھی اور ہر شخص پر بڑی ذمہ داری یہی تھی کہ وہ کسی بھی میدان میں کسی بھی طرح قوت حاصل کرے۔

(۶) اس اصول کا لازمہ یہ تھا کہ اخلاق کا اصول نظروں سے اوجھل ہوجائے۔ قوی ہمیشہ صحیح مانا جائے اور اسی طرح اس کے طور طریقے بھی درست تسلیم کیے جائیں۔

(۷) اس کا ایک لازمہ یہ نکلا کہ حکمت اور عمل ایک دوسرے سے لاتعلق ہوگئے۔ عمل کو حکمت پر فوقیت حاصل ہوگئی۔

چناں چہ یورپی نشأۃ ثانیہ کے زمانے میں سائنس کے لیے نظریۂ علمی یہ قرار پایا کہ سائنس یعنی علم صرف مشاہدہ اور تجربہ سے حاصل ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ نیچر پر تصرف اور تسلط حاصل کرنا چاہیے۔ گویا یہ فطرت انسان کے لیے ہم آہنگ نہیں کی گئی ہے، بلکہ بزورِ قوت اس کو انسانی مقاصد کے لیے ہم آہنگ کرنا ہے۔ یہی وہ نظریۂ علمی ہے جس پر بیسویں صدی میں زبردست تنقید ہوئی ہے۔ مغربی اقوام نے سائنس کے ذریعہ جس طرح فطرت کے خزانوں کو بے دریغ لوٹا کھسوٹا ہے، انسانوں کو زدوکوب کیا ہے اور بے انتہا مہلک ہتھیار ایجاد کرکے پوری انسانیت کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کر دیا ہے اس کی واحد وجہ سائنس کا تسلطی نظریۂ علمی ہے۔ اور اب اس ظالمانہ اور باغیانہ نظریۂ علمی کو مسلمان علماء و دانشور قرآنی تصورِ تسخیر کی غیر ضروری تعبیرات کرکے عالمِ اسلام میں درآمد کرنا چاہتے ہیں۔ مسلم سائنس داں بالعموم قرآن اور سائنس کے درمیان

کوئی تضاد نہیں پاتے ، بلکہ قرآن کو سائنس کے ذریعہ ثابت کرنے کے زعم میں خود سائنس کو قرآن کی میزان پر حق ثابت کرتے ہیں، بسا اوقات ان کو اس کا پتہ بھی نہیں چلتا۔قرآنی تصورِ تسخیر کو انسانی عمل ثابت کرنے کی کوشش کرنا بھی دراصل اسی سحرزدگی کا نتیجہ ہے۔ وہ لوگ جو تسخیر کو خلافت سے جوڑتے ہیں ان کی سمجھ میں اتنی بات بھی نہیں آتی کہ انسان صرف زمین میں خلیفہ ہے، آسمانوں میں نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خلاؤں کی تسخیر کا تصور عالمِ اسلام میں پھیلانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ہمارے ان زعماء کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ انسان بس چاند کی سطح پر قدم رکھ دے اور وہ اعلان کر دیں کہ چاند کی تسخیر ہوگئی ۔[۲۱] چاند پر انسان کا قدم رکھنا یقیناً بہت بڑا قدم ہے۔اس پر حیرت و استعجاب ، جوش و ولولہ اور فخر و افتخار کے جذبات کا امڈ آنا تو بجا،لیکن اس کو چاند کی تسخیر کہنا، جب کہ لغوی اعتبار سے بھی پوری طرح صحیح نہیں ہے،تو یہ کون سا علمی طریقہ ہے کہ قرآن سے اس کا ثبوت فراہم کرنے کی کوشش کی جائے۔

تسخیر اور الٰہی نقشہ:

تسخیر کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو گرفت میں لے رکھا ہے،تاکہ اس کائنات کے مختلف اعمال اس نقشے کے مطابق ہوتے چلے جائیں جس کو خود اللہ تعالیٰ نے مرتب کیا ہے۔ظاہر ہے اس نقشے میں زندگی کی نمو اور بقا دونوں شامل ہیں۔ چناں چہ تسخیر میں کائنات کی وہ نازک ترین تنظیم بھی شامل ہے جس کی وجہ سے یہ کائنات زندگی کی نموو بقا کے لیے سازگار بنی رہتی ہے۔کل جمادی ، نباتی اور حیوانی دنیا بغیر انسان کی ذاتی کوشش کے انسان کے لیے سازگار ماحول پیدا کرتی رہتی ہے۔ یہ فطرت انسانی سہولتوں، مادی و روحانی ضرورتوں کو پورا کرنے میں سازگار بنانے کے لیے مسخر کی گئی ہے۔ایسا نہیں ہے کہ فطرت کو زندگی اور انسان کی ترقی مدارج کے غیر موافق بنایا گیا ہو، جس کی وجہ سے انسان کو اس پر تسلط جما کر اپنے لیے بالخصوص سازگار بنانے کی کوشش کرنی پڑے۔

اللہ تعالیٰ نے عملِ تسخیر کے ذریعہ کائنات میں نازک ترین تنظیم برپا کر رکھی ہے۔ اس کا ہلکا سے تصور قائم کرنے کے لیے ذیل میں کچھ واقعی معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔

(۱) کشش ثقل کا کانسٹیٹ:

☆ اگر زیادہ ہوجائے تو ستارے بہت گرم ہوجائیں اور بہت تیزی سے جل کر راکھ ہوجائیں۔

☆ اگر کم ہوجائے تو ستارے اس قدر ٹھنڈے ہوجائیں کہ نیوکلیائی فیوزن کا عمل رک جائے اور بھاری عناصر نہ بن سکیں۔

(۲) الکٹران پروٹان کا تناسب:

☆ اگر کم یا زیادہ ہوجائے تو کیمیاوی عمل کم زور ہوجائے۔

(۳) کائنات کی انٹروپی کا درجہ:

☆ اگر زیادہ ہوجائے تو کہکشاں افزا مقامات میں ستارے نہ بن سکیں۔

☆ اگر کم ہوجائے تو کہکشاں افزا مقامات ہی نہ بن سکیں۔

(۴) نظامِ شمسی میں سورجوں کی تعداد:

☆ اگر ایک سے زیادہ ہوتو مدّوجزر کا آپسی تعامل سیاروں کے مداروں کو الٹ پلٹ کر رکھ دے۔

☆ اگر ایک سے کم ہوتو گرمی کی کمی کی وجہ سے زندگی کا نشوونما نہ ہوسکے۔

(۵) مداروں کا جھکاؤ:

☆ اگر زیادہ ہوجائے تو سیارے پر درجۂ حرارت کا فرق بہت زیادہ ہوجائے۔

(۶) محوری گردش کا عرصہ:

☆ اگر زیادہ ہوجائے تو دن رات کے درجۂ حرارت میں فرق بہت زیادہ ہوجائے۔

☆اگر کم ہو جائے تو ہواؤں کی رفتار بہت زیادہ ہو جائے۔

(۷) کرۂ باد میں آکسیجن:

☆اگر زیادہ ہو جائے تو پودے اور ہائڈروکاربن بہت آسانی سے جلنے لگیں۔

☆اگر کم ہو جائے تو بڑے جان داروں کو سانس لینے میں مشکل ہو۔

(۸) بحر و برّ کا تناسب:

☆اگر کم یا زیادہ ہو جائے تو زندہ چیزوں کا تنوع اور ان کی پیچیدگی محدود ہو جائے۔

مذکورہ بالا فہرست میں سائنس کی بھرپور شہادت ہے کہ اس کائنات کو مسخر کرلیا گیا ہے اور اس کے فوائد اللہ کے نقشے کے مطابق آخر کار انسان کو پہنچتے ہیں ۔ اس کائنات کی بہترین، بلکہ صرف ایک یہی تفہیم ممکن ہے ۔ وہ یہ کہ کائنات زمان ومکان کے تسلسلوں Space Time Continuum سے باہر ایک ایسی ذات کا فعل ہے جس نے نقشہ مرتب بھی کیا ہے اور وہی نقشے کو بروئے کار بھی لا رہی ہے۔

تسخیر اور انسان:

تسخیرِ کائنات کے دو پہلو ہیں ۔ ایک اللہ کے تعلق سے اور ایک انسان کے تعلق سے ۔ کائنات اور اس کی اشیاء کا اللہ کے ساتھ تو یہ تعلق ہے کہ ان کو اللہ نے مسخر کر رکھا ہے ۔ انسان کے تعلق سے تسخیر کا یہ پہلو ہے کہ کائنات اور اس کی اشیاء سے انسان کو فائدہ پہنچتا ہے ۔ یہ فائدہ دو طرح سے ہوتا ہے ۔ ایک انسان کی کوشش کے بغیر اور دوسرا اس کی کوشش اور جدوجہد کے نتیجے میں۔

(الف) بغیر کوشش کے فائدہ:

کوشش کے بغیر جن چیزوں سے انسان کو فائدے پہنچتے ہیں ان میں سورج، چاند، ستارے اور دن کا نظام ہے ۔ قرآن کریم میں ان چیزوں کی تسخیر سے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ سب مقررہ مداروں میں متحرک ہیں ۔ (الرعد۔۱۳، ابراہیم۔۱۴، الانبیاء۔۳۳،

فاطر۔۱۳، یٰس۔۴۰) ظاہر ہے کہ ان اشیاء کی حرکت انسان کے قبضہ میں نہیں ہے۔ لیکن اس حرکت کے ساتھ انسان کے بے شمار فوائد متعلق ہیں۔ انسان ان فوائد کا مطالعہ کر کے اللہ کی نشانیوں کی ایک طویل فہرست تیار کرسکتا ہے۔آج کا انسان فوائد کے مطالعے کا کام اللہ سے بے نیاز ہو کر کر رہا ہے اور سمجھ رہا ہے کہ وہ کائنات کو مسخر کر سکتا ہے، بلکہ اس کو مسخر کرنا چاہیے۔حرکت پذیر چاند، سورج اور ستاروں کے علاوہ بھی زمین و آسمان میں بے شمار ایسی چیزیں ہیں جن کے فائدے انسان کو اس کی کوشش کے بغیر حاصل ہوتے رہتے ہیں۔ اس ذیل میں آکسیجن، نائٹروجن، اوزون، بارش، جنگلات کے ذریعہ آکسیجن کی پیدائش اور کاربن ڈائی آکسائڈ کا استعمال یعنی ان اہم گیسوں کے دورانیوں کو برقرار رکھنا اور ان کی نسبت کو قائم رکھنا ، اس کے علاوہ سمندروں اور خشکی کے درمیان ایک مخصوص نسبت کی وجہ سے زمین پر مناسب درجۂ حرارت اور نمی کی کیفیت باقی رہنا اور بے شمار ایسے فوائد ہیں جو انسان کی کوشش کا نتیجہ نہیں ہیں، البتہ انسان اپنی قوتِ تسخیر کے زعمِ باطل میں فطرت کے اس تناسب کو بری طرح بگاڑ رہا ہے۔

(ب) کوشش سے فائدہ:

قرآن کی کچھ آیاتِ تسخیر سے واضح ثبوت ملتا ہے کہ انسان اپنی کوشش سے تسخیر کا فائدہ حاصل کرسکتا ہے، بلکہ اللہ نے کچھ اشیاء کو مسخر ہی اس طرح کر رکھا ہے کہ انسان کوشش کر کے ان اشیاء سے فائدہ اٹھا سکے۔ان آیات میں سمندر، کشتی اور جانوروں کا تذکرہ ہے:

وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا (النحل:۱۴)	وہی ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کر رکھا ہے، تاکہ تم اس سے تروتازہ گوشت لے کر کھاؤ اور اس سے زینت کی وہ چیزیں نکالو جنھیں تم پہنا کرتے ہو۔

اللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (الجاثیہ:۱۲)

وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کیا، تاکہ اس کے حکم سے کشتیاں اس میں چلیں اور تم اس کا فضل تلاش کرو اور شکر گزار رہو۔

وَالَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَ جَعَلَ لَكُمْ مِنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ لِتَسْتَوٗا عَلٰی ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَیْتُمْ عَلَیْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ (الزخرف:۱۲-۱۴)

وہی ہے جس نے تمام جوڑے پیدا کیے اور جس نے تمہارے لیے کشتیوں اور جانوروں کو سواری بنایا، تاکہ تم ان کی پشت پر چڑھو اور جب ان پر بیٹھو تو اپنے رب کا احسان یاد کرو اور کہو کہ ''پاک ہے وہ جس نے ہمارے لیے ان چیزوں کو مسخر کر دیا ورنہ ہم انھیں قابو میں لانے کی طاقت نہ رکھتے تھے اور ایک روز ہمیں اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے''۔

ان آیات کے مطابق سمندر، جانوروں اور کشتی کو اس طرح مسخر کیا گیا ہے کہ انسان کوشش کر کے ان چیزوں سے فائدہ بھی اٹھائے، اللہ کا شکر گزار بھی ہو اور اسی کی طرف پلٹے بھی۔ ان آیات میں جن چیزوں کا تذکرہ ہے اسی قسم کی باقی تمام چیزوں پر بھی قیاساً ان آیات کا اطلاق ہوگا۔ مثلاً انسان کوشش کر کے آگ جلاتا ہے اور بجھا بھی دیتا ہے۔ ہوا میں آکسیجن موجود ہے جس سے وہ بغیر کوشش کے فائدہ حاصل کرتا ہے، مگر اپنی کوشش سے وہ اس کو سلنڈر میں محفوظ کر کے قریب المرگ مریضوں پر استعمال کرتا ہے اور اکثر ان کو مرنے سے بچانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح گیس کی ویلڈنگ میں بھی آکسیجن استعمال کرتا ہے اور اس کے ذریعے لوہے کے موٹے موٹے لٹھے آناً فاناً کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔ کشتیاں انسان بناتا ہے۔ اللہ ان کو سطح سمندر پر تیراتا ہے اور انسان کوشش کر کے ان کو دوڑاتا ہے۔ غرض تسخیر کے کچھ فوائد انسان کو کوشش کے بغیر حاصل ہوتے ہیں اور کچھ کوشش کے بعد۔

انسان جب کوشش کے بعد اشیاءِ کائنات کا فائدہ اٹھاتا ہے تو اس کے اندر اپنے علم، کوشش اور قوتِ کار پر اطمینان بھی حاصل ہوتا ہے، مزید جدو جہد کا ولولہ بھی پیدا ہوتا ہے اور اپنی کارکردگی کا مسلسل تجربہ کرتے کرتے، تصرف اور تسلط کے احساس کو تقویت بھی ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان مسلسل ایسے میدانوں میں کامیابی حاصل کرتا جا رہا ہے جن کے بارے میں کسی وقت وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ یہ سب کچھ صحیح ہونے کے باوجود قرآن کی آیاتِ تسخیر زور اس بات پر نہیں دیتیں کہ انسان مسخر ہو جائے، بلکہ زور اسی پر رہتا ہے کہ اللہ ہی مسخر ہے، جس کے نتیجے میں انسان اس کائنات سے بھرپور فائدہ اٹھا پاتا ہے اور جس کے لیے اس کو شکرگزار ہونا چاہیے۔

آیاتِ تسخیر میں صلوں کا استعمال:

آیاتِ تسخیر میں مع ،لہ، لکم، لنا اور علی کے صلے استعمال ہوئے ہیں۔ مــع کے صلے کے ساتھ سورۂ انبیاء آیت ۷۹ اور سورۂ ص آیت ۱۸ میں کہا گیا ہے کہ ''ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کر لیا، تاکہ وہ بھی داؤد کے ساتھ صبح وشام اللہ کی تسبیح کریں''۔ اس مفہوم کے ساتھ تسخیر کے یہ معنی نہیں لیے جا سکتے کہ پہاڑوں اور پرندوں کو حضرت داؤد نے مسخر کر رکھا تھا۔ لـــــہ کا صلہ سورۂ ص آیات ۳۶ تا ۳۸ میں استعمال ہوا ہے۔ ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ ''ہم نے اس (یعنی سلیمانؑ) کے لیے ہواؤں اور شیاطین کو مسخر کر رکھا تھا''۔ یہ معاملہ اول تو ایک جلیل القدر پیغمبر کا ہے جس کو تمام انسانوں پر جاری نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ حضرت سلیمانؑ کو کچھ قوتیں بطورِ معجزہ عطا ہوئی تھیں، جو کہ عام انسانوں کو حاصل نہیں ہوتیں۔ دوم سورۂ انبیاء کی آیت ۸۱ میں یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ ''سب کچھ ہم ہی کرنے والے تھے'' اور ''ہم ہی سب کی نگرانی کر رہے تھے'' لـکم اور لـنا کا صلہ سات آیتوں میں استعمال ہوا ہے، جن میں سے چار آیتوں میں بـــامـــرہ کہہ کر بتا دیا گیا ہے کہ آیات میں مذکور اشیاء اللہ کے حکم کے پابند ہیں۔ پانچویں آیت میں خود انسان کی زبان سے یہ حقیقت بیان کرا دی گئی ہے کہ مذکورہ اشیاء کے ہم مــقــرن نہیں ہو سکتے تھے۔ اللہ پاک ہے اور ہم اسی کی طرف پلٹنے والے

ہیں۔ علینا کا صلہ سورۂ الحاقہ آیات ٦ تا ٨ میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں بتا دیا گیا ہے کہ اللہ نے تیز رفتار ہوا کو سات رات اور آٹھ دن تک قوم عاد کے اوپر مسخر رکھا، جس کے نتیجہ میں وہ تہس نہس ہو کر رہ گئے۔ اس آخری آیت سے واضح ہو جاتا ہے کہ تسخیر اصلاً اللہ تعالیٰ ہی کا عمل ہے۔ اس سے انسان کو بے انتہا فائدے بھی ہوتے ہیں، لیکن اشیاء کائنات پر اقتدار اور تسلّط بہر حال اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، کیوں کہ وہ جب چاہے انہی مفید چیزوں سے انسانوں اور قوموں کو اور آبادیوں کو برباد بھی کر سکتا ہے۔

تسخیر اور قوانینِ فطرت:

اللہ کی تسخیر کی وجہ سے فطرت میں ربط اور انضباط پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم اس کائنات کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس کی ہر چیز کو قانون کا پابند پاتے ہیں۔ چناں چہ ہم مطالعۂ فطرت سے قوانینِ فطرت اخذ کر لیتے ہیں۔ تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ، جس نے اس فطرت کو مرتب کیا ہے، کسی قانون اور ضابطے کا پابند ہے؟ نہیں، اللہ پر اور اس کے امر پر کوئی قانون لاگو نہیں ہوتا۔ البتہ اللہ کے مختلف اوامر کے درمیان ایک تال میل اور ربط وضبط ضرور پایا جاتا ہے۔ وہ ایک دوسرے سے تخالف کی حالت میں نہیں ہوتے۔ یہ اللہ کی حکمت ہے جو مادّی کائنات میں واقعات کے درمیان ربط کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے جس کی وجہ سے ہم فطرت کے قوانین اخذ کر پاتے ہیں۔ جس چیز کو ہم قانونِ فطرت کہتے ہیں وہ درحقیقت اللہ کے اوامر کے درمیان پُرحکمت تال میل کا علم ہے۔ یہ تال میل، جو تسخیر کے مقاصد میں سے ایک ہے، فطرت کو انسان کے لیے مفید بنا دیتا ہے اور انسان کو وہ تمام فائدے حاصل ہو جاتے ہیں جن کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں۔ قوانینِ فطرت کے علم میں اضافہ ہونے کے ساتھ فطرت کی افادیت میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ مگر یہ اضافہ ایک حد تک ہی قائم رہتا ہے، کیوں کہ ہم فطرت کے قوانین کا علم کما حقہ حاصل نہیں کر پاتے۔ چناں چہ اپنے اعمال کو معلوم قوانینِ فطرت کے مطابق ڈھالنے میں کامیاب ہونے کے باوجود اس حد تک کامیاب نہیں ہو پاتے جس حد تک مکمل علم رکھنے والا ہو سکتا ہے۔ اس کم علمی کے باوجود جو کچھ علم ہمارے

پاس موجود ہوتا ہے اس کی وجہ سے ہمارا جوش وولولہ ہمیں ایسے عمل کرنے پر ابھارتا ہے جن کی زد فطرت کے ان گوشوں پر پڑتی ہے جن کا ہمیں علم نہیں ہوتا۔ چناں چہ اگر ہم ایک لحاظ سے کامیاب ہو رہے ہوتے ہیں تو کسی لحاظ سے لاعلمی کی بنا پر متواتر نقصان اٹھاتے چلے جاتے ہیں، جس کا ہم کو صرف اس وقت احساس ہوتا ہے جب وہ نقصان ہمارے محسوس دائروں یا ہمارے حسّاس آلات کی پکڑ میں آنا شروع ہوتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے اعمال کو علومِ فطرت اور قرآنی ہدایت کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں اور صرف علمِ فطرت کے جوش میں مسخّر سے مسخِّر بننے کی کوشش نہ کریں۔ انسان دراصل اپنے آپ کو فطرت کے موافق رکھنے پر مجبورِ محض ہے، خواہ وہ فطرت سے، اس میں کوئی تبدیلی کیے بغیر، فائدہ اٹھا رہا ہو، یا کچھ مصنوعی تبدیلیاں کرکے، ہر حال میں وہ اس پر مجبور ہے کہ اپنے عمل کو قوانینِ فطرت کے موافق رکھے۔ یہ موافقت اس کی ضرورت بھی ہے اور مجبوری بھی۔ چناں چہ اصلاً انسان مسخِّر نہیں، بلکہ مسخَّر ہے۔

تسخیری اور تسلّطی نظریۂ علمی میں فرق:

علم کیا ہے؟ اس کے ذرائع کیا ہیں؟ اس کی منہاج کیا ہے؟ اس کی اہمیت، مقصد اور استعمالات کیا ہیں؟ اس طرح کے سوالات اور ان کے جوابات کی تلاش وجستجو نظریۂ علمی Epistemology کی جولان گاہ ہوتی ہے۔ ان سوالات کے جوابات ہی سے اس موضوع کے حدودِ اربعہ اور شکل وصورت وجود پذیر ہوتی ہے۔

تسخیری نظریۂ علمی کا مکمل احاطہ کرنا اس مضمون کے مقاصد میں شامل نہیں ہے۔ البتہ اس مقالے کی مناسبت سے ہم تسخیری نظریۂ علمی کے دو اہم پہلوؤں پر زور دینے کی اشد ضرورت محسوس کرتے ہیں:

(۱) تسخیری نظریۂ علمی اصلاً توحیدی نظریۂ علمی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کی تمام اشیاء کا موجد صرف ایک اللہ الواحد القہار ہے۔ اسی اصول کو سامنے رکھتے ہوئے کائنات کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ جب اس اصول کے پیشِ نظر کائنات کا مطالعہ ہوگا تو خود یہ کائنات توحید کی گواہی دے گی۔ تسخیری نظریۂ علمی کے توحیدی اصول سے

یہ بات بھی اخذ ہوتی ہے کہ علومِ اشیاء کا استعمال ہدایتِ الٰہی کی روشنی میں کیا جائے۔

(۲) تسخیری نظریۂ علمی میں موافقت کے اصول کو اہمیت حاصل ہے۔ اس اصول کا تقاضا یہ ہے کہ ہم کائنات میں بھی موافقت کی تلاش وجستجو پر زور دیں اور اپنے اعمال کو بھی موافقت کے اصول پر ڈھالیں۔ کائنات کے وہ وظیفے جن میں بظاہر ناموافقت (Chaos) کا منظر محسوس ہوتا ہے اس کو اپنے علم کی کمی پر محمول کریں۔ اس کے علاوہ اپنے علمی زعم میں ایسی مہم جوئی نہ کریں جو اس موافقت کے خلاف ہو۔

تسخیری نظریۂ علمی میں توحید اصل ہے اور موافقت ایک ذمہ داری۔ منفعتیں انعام ہیں اور حاصل اس کا شکر ہے۔

اس کے مقابلے میں تسلّطی نظریۂ علمی، جس کی پرورش مغرب میں ہوئی، اس کا بنیادی اصول علم کے ذریعہ فطرت پر غلبہ حاصل کرنا ہے۔ موافقت کا فطرت میں پایا جانا تسلّطی نظریہ علمی میں بھی مسلم ہے، کیوں کہ موافقت کے تصور کے بغیر یا فطرت میں موافقت نہ ہونے کی صورت میں کسی بھی طرح علم حاصل کرنے کی کوشش کا خیال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ لیکن اس موافقت کی اصل تسلّطی نظریۂ علمی میں محض بے جان فطرت کے درمیان موافقت ہے۔ کسی جان دار علیم، حکیم اور عظیم ہستی کا تصور اس نظریۂ علمی میں یا تو ایک سرے سے پایا ہی نہیں جاتا، یا پھر بہت کم زور ہوتا ہے۔ چناں چہ اس نظریۂ علمی کے پیشِ نظر طبیعی علوم (Physics) کو بنیاد بنا کر تمام مختلف قوتوں کو کسی ایک کائناتی قوت میں ضم کرنے کی کوشش تو ہوسکتی ہے اور یہ تصوّر اصلاً پایا بھی جاتا ہے کہ کوئی عظیم قوت ایسی ضرور ہے جو ہر قوت پر حاوی ہے۔ البتہ اس تصور کو فلسفیانہ وحدت (Philosophical Monism) تو کہا جاسکتا ہے، مگر اسلامی توحید یا مذہبی Monotheism نہیں کہا جاسکتا۔ چناں چہ:

تسلّطی نظریۂ علمی میں غلبہ اصل ہے اور موافقت محض ایک ضرورت۔ منفعتیں استحقاق ہیں اور حاصل اس کا استحصال ہے۔

حواشی ومراجع

۱۔ ابن منظور، لسان العرب، دار صادر بیروت، ۳۵۳/۴ مادہ سخّر

۲۔ راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، تحقیق وضبط: محمد سید کیلانی، دار المعرفۃ بیروت، ص ۲۲۷

۳۔ حالاں کہ آیاتِ تسخیر میں کسی بھی اجرامِ سماوی کی حرکت کے ساتھ فلک کا تذکرہ موجود نہیں ہے، لیکن قرآن کی دوسری آیتوں سے اس بات کی شہادت مل جاتی ہے کہ اجرامِ سماوی اپنے اپنے فلک میں متحرک ہیں۔ ملاحظہ کیجیے الانبیاء۔ ۳۳

۴۔ مولانا شبیر احمد عثمانی، تفسیر بر ترجمہ مولانا محمود حسن، القرآن الکریم وترجمۃ معانیہ وتفسیرہ الی اللغۃ الاردیۃ، طبع سعودی عرب، ص ۳۴۴

۵۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی، ترجمۂ قرآن مجید مع مختصر حواشی، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ۱۹۸۲ء، ص ۱۰۴۳۔۱۰۴۵

۶۔ ایضاً ص ۶۶۷

۷۔ Mehdi Golshani, The Holly Quran and Science of Nature, Islamic Propagation Organisation, Tehran (1986) P. 24

۸۔ C. A, Qadir, Philosophy and Science in the Islamic World. London, Routledge, 1988, P. 15

۹۔ Ibid, P.22, Qadir's English words are "knowledge is power in the Sense that it is through knowledge that one can dominate nature and make it subservient to one's will".

۱۰۔ محمد شہاب الدین ندوی، اسلام کی نشأۃ ثانیہ۔ قرآن کی نظر میں، مجلس نشریاتِ اسلام کراچی، ۱۹۸۳ء، ص ۱۳۴۔۱۳۵

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۳۵۔۱۳۶

۱۲۔ محمد شہاب الدین ندوی، چاند کی تسخیر قرآن کی نظر میں، فرقانیہ اکیڈمی، بنگلور